شیخ عطاؒ شہید رحمہ اللہ

مولانا فضل محمد یوسف زئی

استاذِ حدیث جامعہ بنوری ٹاؤن

أَيَا قَبْرَ مَعْنٍ! كَيْفَ وَارَيْتَ جُوْدَهُ
وَقَدْ كَانَ مِنْهُ الْبَرُّ وَالْبَحْرُ مُتْرَعاً

ترجمہ: ''اے شیخ عطاء کی قبر! تو نے شیخ کے اتنے فضائل کو کیسے چھپالیا؟ حالانکہ شیخ کے فضائل سے برّ و بحر بھرا ہوا چھلکتا تھا''۔

جامعہ پر ایک نظر:

چند سالوں سے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن حادثات کی زد میں ہے، جامعہ کو ہر حادثہ کے نتیجے میں اپنی نوعیت کا الگ الگ نقصان برداشت کرنا پڑا ہے۔ جامعہ کے اساتذہ میں سے شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ کی شہادت سے مسلک حق کی تصنیف کے میدان کو نقصان پہنچا۔ حضرت مولانا مفتی عبدالسمیع صاحبؒ جب شہید کردیئے گئے تو ان کی شہادت کی وجہ سے مسلکِ حق کے ''دفاع'' کو زبردست نقصان پہنچا، وہ مسلکِ حق کے مدارس ومساجد کے دفاع کے لئے شمشیر بے نیام تھے، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی شہادت سے مسلک حق کے قلمی، اصلاحی اور روحانی برکات کے میدان کو نقصان پہنچا۔ حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ کی شہادت سے مسلک حق کے علمی، تحقیقی، مشاورتی اور تدبیری امور کو نقصان پہنچا۔ حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان کی شہادت سے مسلک حق کے خدماتی اور رفاہی میدان کو نقصان پہنچا۔ حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ کی شہادت سے فرق باطلہ کی تشخیص اور ان کی تردید کے میدان کو نقصان پہنچا۔ حضرت مولانا عطاء الرحمٰنؒ کی شہادت سے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے اندرونی وبیرونی انتظام کو نقصان پہنچا۔ اس کے علاوہ دیگر حادثات بھی جامعہ کو پیش آئے، جن سے اپنی نوعیت کے الگ الگ نقصان کو جامعہ نے برداشت کیا۔ ہم ان حادثات پر جتنے درد کا اظہار کریں،

اس میں ہم حق بجانب ہیں، کیونکہ یہ ناقابل برداشت حادثات ہیں۔ شاعر ساحر کہتا ہے:

إنْ جَـزِعْـنَـا لَـهُ فَلاَ عَـجَـبَ
ذَالْـجَـزْرِ فِـيْ الْبَـحْـرِ غَيْـرُ مَعْهُوْدٍ

ترجمہ:۔ ''اگر ہم ان (شہداء) کے لئے جزع فزع کریں تو یہ تعجب کی بات نہیں ہے، کیونکہ سمندر کی لہروں میں یہ نقصان غیرمعمولی نقصان ہے''۔

حضرت مولانا عطاء الرحمٰن شہیدؒ سے میری رفاقت:

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی خصوصیت میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ جامعہ کے اساتذہ کرام آپس میں ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں۔ میں جامعہ کی تدریس سے ۱۹۸۷ء سے منسلک ہوا ہوں، دوسال میں نے ملیر شاخ میں تدریس کی اور ۱۹۸۹ء میں میرا تبادلہ مرکز کے لئے ہوا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب میں درجۂ سابعہ کی کلاس میں مشکوٰۃ شریف پڑھانے کے لئے داخل ہونے لگا تو راستے میں مجھے مولانا عطاء الرحمٰنؒ ملے، آپ نے میری رہنمائی فرمائی اور سابعہ کی کلاس میں بٹھانے کے لئے درسگاہ تک میرے ساتھ آئے۔ آج جب میں گھر سے نکلا تو حضرت مولانا مرحوم کے دو بیٹے جمیل الرحمٰن اور ملیح الرحمٰن مجھے سیڑھیوں پر ملے جو مولانا کے جنازہ پر بابوزئی گئے تھے اور اب واپس گھر آرہے تھے، گھر میں داخل ہونے سے پہلے میری ہی ملاقات ان سے ہوئی، میں نے ان کو ان کے گھر جانے کے لئے جب اشارہ کیا تو مجھ پر رقت طاری ہوئی اور مجھے وہی منظر یاد آیا جو مولانا مرحوم نے ۱۹ شوال ۱۹۸۹ء میں مجھے درسگاہ جانے کے لئے اشارہ کیا تھا، شاعر نے ایسے ہی موقع کے لئے کہا تھا:

یادِ ماضی عذاب ہے یارب !
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

حضرت مولانا عطاء الرحمٰن شہیدؒ کی عمر ۵۲ سال تھی، گویا وہ عمر میں مجھ سے بارہ سال چھوٹے تھے، لیکن چونکہ وہ میرے پڑوس میں رہتے تھے اور جامعہ کی تدریس میں ہمارے رفیقِ تدریس تھے، اس لئے ہم نے تقریباً ۲۳ سال کا طویل عرصہ اکٹھا گزارا ہے۔ مولانا مرحوم میں احباب ورفقاء کے ساتھ محبت ومروت کا بہت بڑا جذبہ تھا، وہ آپس کے اکرام واحترام کا بہت زیادہ لحاظ رکھتے تھے، ہم ۲۳ سال تک اکٹھے رہے ہیں، اس طویل عرصہ میں ہماری آپس میں کبھی کوئی تلخ کلامی نہیں ہوئی۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ اب وہ ہمارے درمیان موجود نہیں، لوگ کہتے ہیں کہ: وہ مرگئے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم اس دنیا میں عارضی زندگی گزرارہے ہیں، ہمارا حقیقی گھر یہاں نہیں ہے، بلکہ یہ تو قیدخانہ ہے، اصل گھر تو مسلمان کا وہی ہے، جہاں مولانا مرحوم چلے گئے، کسی نے سچ کہا ہے:

کون کہتا ہے کہ مومن مرگیا
قید سے چھوٹا وہ اپنے گھر گیا

اگر چہ مولانا مرحوم کا یہ جانا اٹل اور مقدر تھا، لیکن جامعہ کے اساتذہ کو مولانا مرحوم کے اس طرح جلدی اٹھ جانے کا وہم وگمان بھی نہیں تھا۔ مولانا مرحوم کی عمر بھی اتنی زیادہ نہ تھی، اس لئے ان کے اس سانحۂ شہادت کو اساتذہ وطلبہ حیرت کے ساتھ اس طرح خیال کرتے ہیں، جس طرح شاعر نے کہا:

پھول تو دو دن بہارِ جانفزا دکھلا گئے
حیرت ان باغنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

مولانا مرحوم کے پسماندگان:

مولانا مرحوم نے اپنے پیچھے ضعیف والدین، تین بہنیں، تین بھائی، ایک بیوہ اور چار بیٹے سوگوار چھوڑے ہیں، دو بیٹے عالم ہیں اور دو ابھی جامعہ میں ہی زیر تعلیم ہیں۔

مولانا مرحوم کے والد محترم مشفق الرحمٰن صاحب مدظلہ اس وقت عمر کی انتہائی ضعیف حالت میں ہیں، اس طرح نابغۂ روزگار عالم فاضل بیٹے اور بیٹی کا ایک ساتھ اٹھ کر چلا جانا یہ ایسا صدمہ ہے کہ ایک مضبوط اعصاب کا جوان شخص اس کو برداشت نہیں کرسکتا، لیکن اس باہمت باپ نے اس حادثہ کو اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر تمام بے چینی کے باوجود نہایت صبر واستقلال اور عظمت ووقار کے ساتھ برداشت کیا اور حقیقت یہ ہے کہ اسی طرح کے کردار سے تاریخ بنتی ہے۔ تعریف صبر کی ہوتی ہے، بے صبری کی تعریف نہیں کی جاتی۔ میرے خیال میں مولانا امداد اللہ صاحب مدظلہ پر اس صدمے کا بہت زیادہ بوجھ ہے، اللہ تعالیٰ سب کو صبر کی توفیق دے۔ حضرت ابن عباسؓ کے والد حضرت عباسؓ کا جب انتقال ہوا تو ابن عباسؓ کو ایسی بے چینی لاحق ہوگئی کہ کسی کی تسلی دینے سے چین ہی نہیں آرہا تھا، وہ خود فرماتے ہیں کہ: مجھے ایک دیہاتی نے تسلی کے لئے دو شعر سنا دیئے، جس سے میری پوری تسلی ہوگئی اور چین حاصل ہوگیا، وہ دو شعر یہ ہیں:

اِصْبِرْ نَکُنْ بِکَ صَابِرِیْنَ وَإِنَّمَا
صَبْرُ الرَّعِیَّةِ بَعْدَ صَبْرِ الرَّأْسِ

ترجمہ: ''اے ابن عباسؓ! آپ صبر کریں، آپ کے صبر سے ہم بھی صابر بن جائیں گے، کیونکہ بڑوں کے صبر سے چھوٹے صابر بن جاتے ہیں''۔

خَیْرٌ مِّنَ الْعَبَّاسِ أَجْرُکَ بَعْدَهٗ
وَاللّٰهُ خَیْرٌ مِّنْکَ لِلْعَبَّاسِ

ترجمہ: ''تجھے جو اجر ملے گا وہ تیرے لئے عباسؓ سے بہتر ہے اور عباسؓ کے لئے اس کا رب تجھ سے زیادہ بہتر ہے۔

صبر کی یہ تلقین صرف مولانا کے پسماندگان کے لئے نہیں ہے، بلکہ حضرت مولانا کی موت کا یہ ہمہ گیر غم جامعہ کے رئیس، اساتذہ، طلبہ اور حضرت مولانا مرحوم کے تمام متعلقین اور ہزاروں

شاگردوں کے لئے مشترکہ غم ہے، لہذا صبر کی یہ تلقین بھی سب کے لئے ہے، کیونکہ مولانا مرحوم کی حادثاتی موت سے ان سب حضرات کی بنیادیں ہل گئی ہیں، کسی نے سچ کہا ہے:

وَمَا هُلْكُ قَيْسٍ هُلْكُهُ هُلْكُ وَاحِدٍ
وَلٰكِنَّهُ بُنْيَانُ قَوْمٍ تَهَدَّمَا

یعنی شیخ عطاءؒ کی موت کسی ایک انسان کی موت نہیں ہے، بلکہ اس سے پوری قوم کی بنیادیں ہل گئی ہیں۔

میری ساٹھ سال عمر ہے، میں نے اس عمر میں کسی عالم یا غیر عالم کی تعزیت کے لئے دنیا کے مختلف حصوں سے اتنے لوگوں کو آتے ہوئے نہیں دیکھا ہے، جتنا کہ مولانا مرحوم کی تعزیت میں سیلاب کی طرح لوگ اُمنڈ آئے، یہ مولانا کی مقبولیت عند اللہ اور مقبولیت عند الناس کی واضح دلیل ہے۔ بہرحال موت کا راستہ ایک ایسا راستہ ہے جس پر ہر زندہ انسان کا گزرنا لازم ہے، اگر دنیا میں کسی کا ہمیشہ رہنا اعزاز واکرام ہوتا تو آنحضرت ﷺ پر کبھی موت نہ آتی:

وَلَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَدُوْمُ لِوَاحِدٍ
لَكَانَ مُحَمَّدٌ فِيْهَا مُخَلَّداً

یعنی اگر دنیا میں کسی کو ہمیشہ رہنا ہوتا تو محمد ﷺ ہمیشہ یہاں رہتے۔

موت کا آنا اور ہر ذی جاندار کا اس کو چکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات غالب اور قادر مطلق ذات ہے وہی ''فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ'' ہے:

أَلَا! إِنَّمَا كَانَتْ وَفَاةُ مُحَمَّدٍ
دَلِيْلٌ عَلٰى أَنْ لَّيْسَ لِلّٰهِ غَالِبُ

یعنی محمد ﷺ کی وفات اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی غالب نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ موت کے میدان میں صبر کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں، صبر ہی مضبوط ہتھیار ہے۔ ایک عاقل شاعر نے خوب کہا:

سَبِيْلُ الْمَوْتِ غَايَةُ كُلِّ حَيٍّ
فَدَاعِيْهِ لِأَهْلِ الْأَرْضِ دَاعٍ

یعنی موت کا راستہ ہر زندہ انسان کا انجام ہے، اس لئے کسی وقت بھی اس کو زمین سے جانے کے لئے کوئی بلانے والا بلائے گا۔

فَصَبْراً فِيْ مَجَالِ الْمَوْتِ صَبْراً
فَمَا نَيْلُ الْخُلُوْدِ بِمُسْتَطَاعٍ

پس موت کے میدان میں صبر کو اختیار کرنا چاہئے، کیونکہ ہمیشہ زندہ رہنا کسی کی طاقت میں نہیں ہے۔

انسانی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ اس دنیا میں ہر انسان جانے کے لئے آیا ہے، رہنے کے لئے کوئی نہیں آیا ہے، آنا ترتیب کے ساتھ ہے کہ بڑا پہلے آتا ہے، چھوٹا بعد میں آتا ہے، لیکن جانے میں کوئی ترتیب نہیں ہے، کبھی چھوٹا پہلے جاتا ہے، بڑا بعد میں جاتا ہے، کبھی اس کا عکس ہوتا ہے، اس طرح ہر محبوب اپنے محبوب سے جدا ہو جاتا ہے اور موت کا علاج کسی طبیب اور ڈاکٹر کے پاس نہیں ہے:

سُبِقْنَا إِلَى الدُّنْيَا فَلَوْ عَاشَ أَهْلُهَا
مُنِعْنَا بِهَا مِنْ جَيْئَةٍ وَّذَهُوْبِ

یعنی ہم دنیا کی طرف لائے گئے ہیں، اب اگر موت نہیں آئے گی اور سب لوگ زندہ رہیں گے تو پھر دنیا میں چلنا پھرنا دشوار ہو جائے گا۔

وَقَدْ فَارَقَ النَّاسُ الأَحِبَّةَ قَبْلَنَا
وَأَعْيَا دَوَاءُ الْمَوْتِ كُلَّ طَبِيْبِ

یعنی ہم سے پہلے بھی سارے لوگ اپنے محبوبوں سے جدا ہو گئے ہیں، کیونکہ موت کے علاج نے ڈاکٹروں کو عاجز بنا دیا ہے۔

تاہم موت کی اس اٹل حقیقت کے باوجود علماء اپنی موت کے بعد بھی اپنے علمی کارناموں اور دینی خدمات کی وجہ سے اور اپنی روحانی اولاد کی وجہ سے زندہ رہتے ہیں، شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

أَخُوْ الْعِلْمِ حَيٌّ خَالِدٌ بَعْدَ مَوْتِهٖ
وَأَوْصَالُهٗ تَحْتَ التُّرَابِ رَمِيْمُ

یعنی صاحب علم آدمی اپنی موت کے بعد بھی زندہ رہتا ہے، اگرچہ اس کے جسم کے جوڑ جوڑ مٹی کے نیچے ریزہ ریزہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ اسی طرح حضرت مولانا عطاء الرحمٰنؒ جو علم وعمل کے آفتاب و ماہتاب تھے، جو علم وعمل کے میدان میں ایک روشن باب رقم کر کے رخصت ہو گئے اور ''يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ''۔ کی کوس رحلت پر داعیٔ اجل کو لبیک کہتے ہوئے ہمیں داغ مفارقت دے گئے اور ان شاء اللہ منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ عاش سعیداً ومات حمیداً ونذکرہ دھراً مدیداً.

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا عطاء الرحمٰنؒ اور مولانا عرفان میمنؒ کے پسماندگان کو اس عظیم صدمہ کے برداشت کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور ان کو صبر جمیل پر اجر جزیل عطا فرمائے اور حضرت کے لگائے ہوئے باغ کی حفاظت فرمائے اور مرحومین کی قبروں پر رحمتوں کی بارش برسا دے، آمین یارب العالمین۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے